افکارِ غزالیؒ کے معاشرتی اثرات (تحقیقی مطالعہ)

ڈاکٹر خالد عزیز
ریسرچ اسکالر، شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

Abstract

Imam Ghazali was very devoted and true muslim by virtues of these trait, he is truly entitled of Hajjatul Islam. He meticulously reviewed and access all the knowledge of arts and literature.

Imam Ghazalie specially invited those segment of societies who had deep impact over general public.So that he can reform society through the impact on the influential people of the society. He did this invitation through speeches, letters and literature.He wanted to make people's social and religious affairs according to shariah, that was the spirit of all his endeavors.If influential people preaches high morality and reform society they can bring in Justice system according to Shariah or the similar segment of society will be responsible for all the immorality, injustice and brutality in society.

Keywords: Religious - Social - Knowledge - Societies - Justice - Segment

یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ انسان اور مذہب ہمیشہ لازم و ملزوم رہے۔ انسانی ذات میں پیدائش کے بعد یہ سوالات کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا، کہاں جائے گا، اس کی تخلیق بطرز زندگی کی نوعیت یا اس کی پیدائش کا مقصد اور اس کا حصول کس طرح ممکن ہے یہ

خیالات اس امر کا ثبوت ہے کہ مذہب انسان کی سرشت میں شامل اور اس کی فطرت کی صدا ہے، انسان کی اس آواز کو اسلام نے لبیک کہا اور اپنی فطری تعلیمات سے انسانیت کے بنیادی سوالوں کے جوابات دیئے۔ اسلام انسان کو تسخیر کائنات کی ترغیب دیتا ہے جس سے کائنات میں ایک خاص قسم کا تنوع منکشف ہوتا ہے جس میں حسن کائنات کا راز پوشیدہ ہے یہی تنوع عالم اصغر یعنی انسان کی زندگی کی اہم ترین خصوصیت بھی ہے۔ اس دنیا میں اربوں انسان بستے ہیں جو مختلف قوموں، قبائل اور برادریوں میں تقسیم ہیں، اس تقسیم کو اسلام نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اس امر کو تعارف اور شناخت کا ذریعہ بھی بتاتا ہے، پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قوموں، قبائل اور برادریوں کی نشست و برخاست، وضع قطع، طرز بود و باش، لباس و معاش، اکل و طعام، مذاق و مزاج، عادات و طبائع اور رسوم و رواج بھی مختلف ہیں، حرم شریف میں ایک دین کی بنیاد پر جمع ہونے والے دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں میں وحدت دین کے باوجود مذکورہ خصوصیات مختلف اور متنوع نظر آتی ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے اس کی جملہ تعلیمات انسانی طرز زندگی کے اختلاف کو ختم نہیں کرتی بلکہ مختلف اختلافات کے ساتھ ایک نظریہ کے تحت زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات نہ صرف مذکورہ اختلاف و تنوع کے حاملین کے لیے بھی ہیں اور ان تمام حالات و مسائل کے تناظر میں بھی ان کی اہمیت ہے جن سے تمام نسل انسانی کو قیامت تک سابقہ پیش آتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دین کا خالق بھی وہی ہے جس نے حقیقی طور پر اس کائنات اور مخلوقات کو تخلیق دیا، اس کی طرز زندگی کی تعلیمات بنی نوع انسان کے اعتبار سے نہ فطری ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا ہو کر ہی انسان امن و چین کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

امام غزالیؒ نے اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ان ہی اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام علوم و فنون کا جائزہ اور معاشرتی طبقات کے افراد کو شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی، خاص طور پر ایسے معاشرتی گروہ جن کے براہ راست یا بالواسطہ طور پر معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں یہ دعوت انہوں نے اپنے خطبات، مکتوبات، کتابوں اور درس و تدریس وغیرہ کے ذریعے دی، آپ کی تمام تر کوششوں کا حاصل یہی تھا کہ لوگوں کی زندگیاں عبادات اور خاص طور پر معاشرتی معاملات میں شریعت مطہرہ کے زیر اثر آ جائے تاکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا مطلوبہ عدل و انصاف سے بھرپور معاشرہ قیام عمل میں آ سکے۔

امام غزالیؒ: علوم و فنون اور علم و تحقیق

امام غزالیؒ کی عظیم شخصیت کا راز دراصل اس بات میں پوشیدہ ہے کہ امام غزالیؒ وہ پہلے شخص ہیں جو علمیت کے بڑے درجے تک پہنچنے کے بعد بھی اپنے موجودہ علم پر مطمئن نہیں تھے وہ اپنے علم و تحقیق میں اضافہ کے لئے اپنے ذہن میں سوالنامے ترتیب دیتے رہے اور حق کی تلاش کے لئے سرگرداں رہے اس سفر حق میں انہوں نے کئی قسم کی زحمتیں اور تکالیف برداشت کیں اور یہ عمل صرف اس لئے کہ امام غزالیؒ کے زمانے میں جو علوم و فنون رائج تھے جن کا لوہا دنیا میں مانا جاتا تھا امام غزالیؒ نے ان علوم کا ازسر نو غیر جانبدارانہ جائزہ لیا اور اس کے بارے میں معاشرے میں رائج رسوم و رواج کی اندھی تقلید نہیں کی۔ امام غزالیؒ کی تربیت ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے ہوئی تھی لیکن تقلید کی تمام بندشیں بالکلیہ ان سے ٹوٹ گئیں۔ ''تقلید کے بندھن مجھ سے ٹوٹ گئے اور روایتی عقیدے شکست کھا گئے۔''(۱)

اس موڑ پر پہنچ کر خیالات وافکار کے لیے بے پناہ ہجوم نے ان کو تلاش وتحقیق پر آمادہ کیا۔ جو سوالات پہلے پہل مذہبی اور دینی داعیہ کے تحت ابھرے تھے بتدریج ان میں اتنی وسعت ہوئی کہ فلسفہ، علم کلام، باطنیہ وغیرہ کے تمام موضوع اس کی زد میں آ گئے۔ دراصل وہ محسوسات اور عقلیات سے بھی آ گے ایسے علم کی تلاش وجستجو میں سرگرمی دکھائی جو بالکل قطعی اور یقینی ہو۔

امام غزالی کے نزدیک قطعی اور یقینی علم کا معیار اب فقہی مقدمات اور منطقی دلائل نہیں تھے۔ بلکہ ان کے پاس یقینی علم وہ ہے جس کو پا لینے کے بعد شکوک کے تمام بادل چھٹ جائیں اور کسی قسم کے شبہ کا احتمال بھی نہ رہے۔ امام غزالی کس قسم کے یقین کے متلاشی تھے ان کے الفاظ میں پڑھیے:

> ''اس میں معلوم اس طرح منکشف ہو جائے کہ اس کے ساتھ کوئی شبہ باقی نہ رہے اور نہ خطا ولغزش کا کوئی امکان بھی اس کا مقارن ہو، بلکہ دل میں اس چیز کے لیے سرے سے گنجائش ہی نہ رہے کہ شبہات راہ پائیں۔'' (۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم یقین کی یہ نوعیت محض رسمی علوم اور موروثی عقائد کے ذریعے حاصل ہونی ناممکن ہے۔ کیونکہ یہاں جو کچھ بھی ہے وہ صرف تقلیدی اور ظنی ہے یعنی فقہ سے لے کر کلام، فلسفہ تک ہر دعویٰ کسی نہ کسی دلیل اور منطقی قضیہ کا محتاج ہے۔ دلیل وقیاس اور برہان کا یہ حال ہے کہ جس چیز کا اثبات ان سے ممکن ہے اس چیز کی تردید بھی اسی برہان وقیاس سے دشوار نہیں۔ ان ہی حالات میں امام غزالی تحقیق حق کے لیے اس قسم کے راستوں کو قطعاً قبول نہیں کر سکتے تھے۔ امام غزالی کے سامنے ازالہ شک اور رفع عیب کا لے دیکر ایک ہی قابل اعتماد راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بجائے واستدلال کی پیچیدگیوں کے انسانی نفس اور کائنات کا خود غیر جانبدارانہ تجزیہ کریں اور تمام اخلاقی وروحانی قدروں کا از سر نو مشاہدہ کرتے ہوئے ان کو عرفان کی کسوٹی پر پھر سے پرکھیں۔

متکلمین اور فلاسفہ سے وہ مطمئن اور خوش گمان نہیں تھے اور فقہاء کی ریاکاریوں سے وہ نالاں تھے۔ امام غزالی کی نظر میں ان جماعتوں کی سیرتیں پاکیزہ نہیں تھیں اور ان کے دلوں میں ایمان کی وہ حرارت نہ تھی جو دنیا کی پستی سے اٹھا کر آخرت کی بلندیوں پر فائز کر دے۔ دنیا طلبی اور امراء وسلاطین سے تقرب خواہش کی وجہ سے اُن کو علماء سے شکوہ تھا۔

اس کے بعد امام غزالی نے جس مسلک کی طرف توجہ کی وہ طریقہ صوفیہ کا تھا جس کو قدرت نے شروع ہی سے ان کی خلقت میں ودیعت کر دیا تھا۔ اس بنا پر امام غزالی کو جو ماحول پسند آیا وہ صوفیہ کا ماحول تھا وہ صرف ان ہی کے علم وعمل سے متاثر تھے۔ کیوں کہ امام غزالی خلوص دل کے ساتھ حق کی تلاش میں تھے اسی لیے امام غزالی کی توجہ تصوف کی طرف مبذول ہوئی۔ سب سے پہلے جس چیز نے امام غزالی کو تصوف کی طرف مائل کیا وہ صوفی کا زہد وتقویٰ تھا اُن کا دامن دنیا طلبی کے داغ دھبوں سے بالکل صاف تھا اور وہ اخلاق عالیہ سے آراستہ تھے دوسری وجہ یہ کہ صوفی کا علم امام غزالی کی نظر میں صحیح، ان کا عرفان آزمایا ہوا اور انداز فکر حکیمانہ تھا، جو صرف حکماء اور اولیاء کا ہی حصہ ہو سکتا ہے اس بنا پر صوفیہ پر بھروسہ کرنا امام غزالی کے لیے آسان تھا۔

> ''کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی ان حقائق امور سے متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ

صفات مذمومہ محو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جہد وجہد سے ابتداء کی جائے ..... کیونکہ اولیاء اور انبیاء پر جو امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال حسن کو پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی، بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی و بیزاری اور کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ جو اللہ کا بنے گا اللہ اس کا بن جائے گا۔'' (۳)

ان وجوہ کے پیش نظر حق وصداقت کی تلاش میں امام غزالی کا فیصلہ یہ رہا کہ صوفیہ کے روحانی تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس میں بڑا اشکال یہ تھا کہ یہ لوگ زیادہ صاحب تصنیف نہ تھے اس لئے ان کے احوال و مقامات کی پوری تشریح کتابی صورت میں موجود نہ تھی۔ اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ مشاہدہ و وجدان اور کثرت عبادت و ذوق سے انھیں کیا حاصل ہوا اور جسم و جاں کی اذیتیں اور بھوک و پیاس کی تکلیفوں سے دوچار ہونے کے بعد انھوں نے کن روحانی لذتوں کو پایا۔

بہر حال امام غزالی کے نزدیک یہ دنیا (تصوف) ہی دوسری ہے۔ یہاں صرف وعظ و نصیحت سے کام نہیں چلتا تھا بلکہ ہر شخص کو براہ راست میدان عمل میں کودنا پڑتا ہے اور اہل دل کی زندہ رہ کا توں میں برسوں گذارنے پڑتے ہیں۔ اطاعت اور بندگی کو عادت بنانا پڑتا ہے، ریا اور شہرت کے دواعی سے کلیۃً کنارہ کشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

ارباب دین اور امام غزالیؒ

دعوت دین سے مراد صرف عقائد کی درستگی یا عبادات کا رواج نہیں بلکہ معاشرے میں ہونے والی ایسی تبدیلیوں کا مقابلہ بھی ہے جس سے دین کا مذہبی تشخص سماجی و اخلاقی روایات کا نظم پامال ہوتا ہے، جب امام صاحب نے مجموعی طور پر معاشرے پر نظر ڈالی اور اس بنیاد کی تلاش کی جس کی وجہ سے معاشرہ حقیقی فساد میں مبتلا اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے دور ہے تو آپ کی نظر علماء ظاہر کی بداعمالیوں کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ کے نزدیک تمام قوم کی بد اخلاقی کے ذمہ دار صرف علماء ہیں جو خود کو تو وارث انبیاء کہلاتے ہیں لیکن جب جاہ، مال و دولت، اختیار و اقتدار کی محبت میں گرفتار ہیں'' کوئی شخص اگر امام صاحب کے تمام حالات اور خیالات کو غور کی نظر سے دیکھے تو اس کا صاف نظر آئے گا کہ امام صاحب کو سب سے زیادہ جس چیز کا رونا ہے وہ علماء کی حالت ہے۔'' (۴)

یہ احساس آپ کے دل و دماغ میں اس قدر قوی تھا کہ ذرا سی تحریک پر جاگ جاتا، کسی بھی مجلس میں کوئی بحث، کوئی تذکرہ ہو یہ احساس نالہ فریاد بن کر زبان پر آجاتا اور احیاء العلوم تو اس ماتم سے پر ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

''رعایا اس وجہ سے ابتر ہوگئی کہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی اور سلاطین کی حالت اس وجہ سے بگڑی کہ علماء کی حالت بگڑ گئی اور علماء کی خرابی اس وجہ سے ہے کہ جاہ و مال کی محبت نے ان کے دلوں کو چھالیا'' (۵)

اس کی وجہ علماء کا اپنے افعال و اعمال کو لوگوں میں مذہبی طور پر پیش کرنا اور اپنی ہر برائی کو اچھائی کی صورت میں نظر آتی ہے اس کے علاوہ مخالف کو ذلیل و خوار کرنا عین حجت اسلام سمجھتے، جاہ پرستی کو اسلام کی شان و شوکت سے تعبیر کرتے، بحث مناظرہ کے ذریعے معاشرے میں قدر و قیمت بڑھ جانے کو اہل کفر و بدعت سے جہاد قرار دیتے اور ان تمام عوامل کو اپنی خدمت اسلام سمجھتے اور

کہلواتے تھے الغرض اسی نوع کے تمام جذبات کو خوبصورت انداز میں پیش کرتے۔

امام غزالی نے حقیقی علماء جو کہ وارث انبیاء ہیں ان کی خصوصیات کو معاشرہ میں فروغ دیا تاکہ عوام الناس مذہبی فریب میں نہ آئیں آپ کے بقول علماء سے مراد صرف یہ نہیں کہ وہ اخلاقی ونفسانی بیماریوں سے پاک اور علوم ظاہر پر کمال رکھتا ہو بلکہ ان علوم کے ساتھ ساتھ علوم باطنہ اور حقائق پر بھی دسترس رکھتے ہو۔اس لیے عالم کو اپنے اخلاق اور ذہنی فکر کو شریعت محمدی کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے آیا وہ اس کی صحیح فکر کے ساتھ ہی اس کو حلال وحرام سمجھتا ہو، ریاکاری اور مفاد پرستی جو کہ ہر عمل کی بربادی کی وجہ ہے کہیں اس کی شخصیت کا لازمی جز تو نہیں بن گئی۔ انسان اپنی سوچ وفکر کے ذریعے اس بات کو محسوس کرے کہ اس کے اندر اچھائی کیوں پیدا ہو رہی ہے اور برائی کیوں اور کس طریقہ سے وہ اپنے اندر مزید اچھائی کو پیدا کر سکتا ہے اور کس طریقہ سے وہ اپنے اندر برائیوں کا خاتمہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے۔ امام صاحب انسانی اخلاق کی تبدیلی پر یقین رکھتے تھے، ان کے نزدیک انسان اپنے اخلاقی رذائل کا خاتمہ اس کی مخالف سمت پر عمل کر کے کر سکتا ہے جیسے کنجوسی کا خاتمہ فیاضی سے، غصہ کو محبت وخلوص سے، بزدلی کا بہادری سے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اخلاق کی تبدیلی کا عمل انسان خود سے نہیں کر سکتا کہ جس طرح انسان اپنا علاج خود نہیں کر پاتا ایسے ہی لازم ہے کہ ایسی صحبت سے فیض یاب ہو جو اس کی روحانی امراض کا خاتمہ کر سکے۔ ایسے ہی عالم کے لیے ضروری ہے کہ جو علم اس نے حاصل کیا ہے اس پر اس کا عمل بھی ہو کیونکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق لازم وملزوم کا ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

''علم بغیر عمل کے جنونی ہے اور عمل بغیر علم کے اجنبی ہے کیونکہ اگر عمل نے آج تجھے گناہوں سے دور نہ کیا اور تجھے اطاعت کی طرف نہ لے گیا تو قیامت کے دن وہ تجھے جہنم کی آگ سے بھی نہ بچا سکے گا، اگر تم نے آج عمل نہ کیا اور تو نے اپنے گزرے ہوئے دنوں کا تدارک نہ کیا جو ضائع ہو گئے'' (۶)

عمل اگر بغیر علم کے ہوگا تو وہ کو ہر مقصود جس کی وجہ سے وہ عمل کیا جا رہا ہے تو اس کو کبھی بھی حاصل نہ ہوگا، حقائق کی سمت میں اگر دیکھا جائے تو سب سے اہم علم، علم نفس ہے کیوں کہ جب تک انسان اپنے نفس کو نہیں پہچانے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کس طریقہ سے پہچانے گا۔ جب تک انسان علم وعمل اور ریاضتوں سے اپنے نفس کو پاک نہیں کریں گا تو وہ اس وقت قابل تقلید نہیں ہوگا۔ ایسے تربیت یافتہ ولی کامل کی محبت عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور ان ہی عالموں کی پاک توجہات سے انسان اپنی ظاہری وباطنی غلطیوں سے پاک ہو کر اللہ کا محبوب اور خلیفۃ الارض کا حقیقی مصداق بن جاتا ہے۔ حق وباطل کی یہ مذہبی جنگ آج بھی اسی طرح رواں دواں ہے۔ جو علماء کا حال وہی عوام الناس کا حال، جیسا کہ عصر حاضر میں اتنے فی صد ہی علماء راہ راست پر ہیں جتنی فیصد عوام الناس۔ علماء حق اور علماء سو کو پہچاننے کیلئے ان کی معاشرت کو شریعت مطاہرہ کی روشنی میں جانچنا چاہیے یہی ان دونوں گروہوں میں حد فاصل ہے۔

امام غزالی کی نظر میں اصلاح معاشرہ کے لیے علماء کرام انتہائی اہمیت کا حامل طبقہ ہے۔ اس لیے ان کی جانب رجوع درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ عالم کا عکس معاشرہ پر عمومی طور اس طرح کا ہو کہ اسے دیکھ کر لوگوں کو اللہ کی

یا داور شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کا جذبہ متحرک ہو اس کے نزدیک امیر غریب ،نسلی ،مذہبی ،ثقافتی ،زبانی وغیرہ کے اختلافات اہمیت کے حامل نہ ہو،اس کے نزدیک ہر خاص وعام برابر ہو اور تمام لوگوں کی محبت اس کے دل میں موجزن ہو اس کی نظر دور حاضر کی تمام سماجی تبدیلیوں پر ہو اور ان تبدیلیوں کو مذہب اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ کرتا ہو۔انسانی سوچ وفکر سے گہری واقفیت ہو اور ہر انسان کو اس کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طریقہ سے رہنمائی یا علاج کرتا ہو جو شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو۔امام صاحبؒ بذات خود عالم دین تھے اور جانتے تھے کہ ایک عالم کس طرح کا ہونا چاہیے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

> "اشارہ کنایہ سے بات نہ کرتا ہو،اپنی تحریر میں بناوٹ کو چھوڑ دے،علم شریعت سے بات کریں،اپنے ہر عمل پر ہمیشگی اختیار کرے اور لوگوں سے زیادہ میل جول پسند نہ کریں،لباس میں شہرت کو ناپسند کریں، خوبصورتی کا اظہار نہ کریں،قناعت اور توکل کو اپنا شعار بنائے بفقر اختیار کرے،ذکر واذکار کا پابند ہو، حسن معاشرت کا درس دے،نوعمر لڑکوں اور خواتین سے اپنے آپ کو دور رکھے،درس قرآن کا اہتمام کریں۔" (۷)

امام غزالیؒ اور امرائے ریاست

آپؒ کے نزدیک دعوت دین کے اعتبار سے حاکم یا بادشاہ وقت کی اصلاح بہت ضروری ہے کیونکہ اگر یہ صحیح ہوگا تو باقی معاملات خود بخود صحیح ہونا شروع ہو جائیں گے ،آپؒ کے سامنے خلفائے راشدین کا دور تھا جہاں نہ صرف مسلمان دنیاوی طور پر دیگر اقوام سے آگے تھے بلکہ دینی واخلاقی اعتبار سے بھی مسلمانوں کو سب سے زیادہ معتبر قوم کے طور پر جانا جاتا تھا۔آپؒ کے نزدیک حاکم اس ہی وقت قابل اصلاح ہے جب اس کے اندر اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی فکر ہوگی جب ہی اصلاح والی باتیں اس پر اثر انداز ہوں گی ،حکمرانوں کے اردگرد کا ماحول عمومی طور پر مکار ،چاپلوس قسم کے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر بادشاہ بھی اس ہی قسم کے ماحول کا عادی ہے تو بادشاہ کی اصلاح اور مخالفت سوچ سمجھ کر اور حکمت کے ساتھ کرنی چاہیے اس کے پاس طاقت اور اقتدار کا نشہ ہوتا ہے تو جس طریقے سے آپ ﷺ نے کفار مکہ کو دعوت دی بالکل اُس ہی حکمت کے ساتھ بادشاہ اور حکمرانوں کو عوام اور دین کی محبت کی طرف لایا جاتا ہے اگر حاکم دنیا کی محبت کی وجہ سے دین اور عوام سے غافل ہے تو اس امر کی کوشش کی جائے کہ اس کے ساتھ بادشاہ کے ساتھ درباریوں کی اصلاح ہو کیونکہ بادشاہ کا قرب ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ چونکہ ایک خاص وقت تک بادشاہوں کے دربار میں حاضر رہیں اور ملکی معاملات میں آپ سے مشورے بھی لیے جاتے تھے ،اس لیے اُمور سلطنت اور بادشاہوں کے مزاج کا جتنا آپ کو علم تھا کسی اور عالم کو اتنا علم حاصل نہ تھا۔آپؒ کے نزدیک معاشرتی نظم وضبط میں خرابیاں درحقیقت اس وجہ سے واقع ہوتی ہیں جب عوام کو بادشاہ وقت تک رسائی اور اپنا مدعا پیش کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔اسی وجہ سے لازمی بات ہے کہ جب عوام کے مسائل جب بادشاہ تک نہیں پہنچیں گے تو بادشاہ یہی سمجھے گا کہ عوام فرحہ حال ہے۔امام غزالیؒ نے اپنے خطوط کے ذریعے حکمرانوں کی اصلاح کی اور اس بات کی ترغیب دی کہ وہ دوسروں کی سننے کے بعد خود بھی تحقیق احوال کریں کہ عوام کس حال میں ہیں۔اس سلسلے میں آپؒ ایک خط میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"ظالم دلیر ہو گئے، چوری چکاری عام ہے، رات کو کئی دکانوں میں نقب لگائی جاتی ہے اور اس میں زاہد اور پرہیزگار لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے، اگر کوئی شخص آپ کو اطلاع دے کے شہر میں امن و امان ہے تو سمجھ لیجئے کہ جھوٹ بولتا ہے اور آپ کے دین کا دشمن ہے، رعایا کی خبر لو۔" (۸)

امام غزالیؒ نے کبھی سخت لہجے میں کبھی نرم طریقے سے عوام کی سوچ اور بات حکمرانوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ یہ بات جانتے تھے کہ جب انسانی نفس کو طاقت واقتدار نصیب ہوتا ہے تو اندیشہ اس بات کا ہوتا ہے کہ اس کی عزتِ نفس انتہائی بلند ہو جاتی ہے، اس کا مزاج اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی بات اس کی سوچ کے خلاف ہو تو سامنے والے پر غضبناک ہوتا ہے، ایسے موقعوں کے لیے امام غزالیؒ حاکم کو ترغیب دیتے ہیں کہ صبر وتحمل کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے، لوگوں کو رحم کی نظر سے دیکھے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ جو حاکم الحاکمین ہے اور ہم اس کے معاملے میں انتہائی غلطی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انسانوں سے درگزر کا معاملہ فرماتا ہے تو اس کو چاہیے کہ فیصلہ کرتے وقت انتہائی پرسکون حالت میں ہو اور فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق دے نہ کہ اپنی پسند اور ناپسند کے اعتبار سے۔ آپ امراء کے تقرر کے حوالے سے بادشاہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ کسی جگہ کے لئے کوئی حاکم مقرر کرنا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ شخص نیک سیرت، شریعت محمدیہ ﷺ پر عمل پیرا، معاشرے میں اچھے نام سے جانا جاتا ہو، اچھی انتظامی صلاحیتوں کا حامل ہو تاکہ معاشرے میں موجود لوگوں کے مسائل کو آسانی سے سمجھ سکتا ہو اور ان مسائل کو حل کرنے کا اپنے اندر جذبہ بھی موجود پاتا ہو، سخت اور غلط بات پر تحقیق کرنے والا ہو اور نرم بات میں آسانی، شخصیت ایسی ہو کہ کمزور اور ضعیف قسم کے لوگوں کو اس کے پاس پہنچ کر آسانی اور سکون ملے اور ظالم وجابر قسم کے لوگ اس کا نام سنتے ہیں خوفزدہ ہو اور تنخواہ لازماً اتنی ہو کہ وہ ایک اچھی زندگی گزار سکیں اور گھریلو معاملات کو چلانے کے لئے اس کو رشوت نہ لینا پڑے۔ امام غزالیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

"حاکم ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو رعایا کے ساتھ شفیق، مہربان، منظم، باہمت وباوقار ہو، اس قدر کام اس کے سپرد کیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر نہ ہو اور تنخواہ اس کی معقول مقرر کرنی چاہیے۔" (۹)

الغرض امام غزالیؒ کا رویہ حاکموں کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسا اُن کا رویہ عوام الناس کے ساتھ تھا اگر اُن کے دل میں رعایا کی محبت ہوتی تو آپ ان کے ساتھ محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آتے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو آپ دعوتِ دین کے ذریعے اصلاح فرماتے، آپ نے حکمرانوں کیلئے ایسے اصلاحی وفلاحی قوانین مرتب کیے جو شریعت اسلامیہ کی بنیادی حدود میں تھے اور رہتی دنیا تک جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس منصب پر فائز کریں وہ ان قوانین کے ذریعے اپنی اصلاح کر سکتا ہے تاکہ معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی سوچ کے مطابق عدل وانصاف کا نظام نافذ ہو سکے۔

امام غزالیؒ اور اہلِ ثروت

اسلام مال کمانے یا اس سے حاصل آمدنی کو تنقید نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ جس طرح دین کی محنت اعمال اور عبادات کے اعتبار سے کرتے ہیں اس ہی طرح وہ دنیا کی محنت بھی کریں کیوں کہ لوگوں کے پاس مال ودولت ہوگا جب ہی تو وہ زکوۃ اور صدقات کی وجہ سے غریب لوگوں کی مدد کر سکے گا، اسلام ایسے مال ودولت پر تنقید کرتا ہے جس سے انسان کے دل میں اس کی محبت

پیدا ہو جائے اور سوتے، بیٹھتے، کھاتے، پیتے ہر وقت انکی سوچوں کا محور صرف دولت ہو۔ ایسے لوگ کیوں کہ اپنی دولت پر اتراتے ہیں تو لازمی سی بات ہے کہ جو لوگ غریب ہوتے ہیں ان کے لئے ان کے دل میں کوئی محبت و لحاظ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر چہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو بالکل بھی پسند نہیں اور تھوڑی ریاضت و مجاہدے کے ذریعے وہ اپنے دل سے مال و دولت کی محبت کو اپنے دل سے نکال سکتے ہیں لیکن وہ اس طرح نہیں کرتے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''امیر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جس کے پاس مال ہے بلکہ وہ شخص ہے جس کے دل میں مال ہے اور وہ اپنے دلی امراض کے علاج سے گریز کرتا ہے''(۱۰)

مال کی محبت انسان کو باطنی شرک میں ملوث کر دیتی ہے کیونکہ توحید کے ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام پر ظاہری طور پر اسلام لے آئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر پہلو پر اس طرح غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کو کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند ہے، لیکن جب انسان کے دل میں ہر وقت پیسے کی محبت ہوگی تو اس کے سوچنے کا زاویہ ہر وقت یہ ہے گا کہ وہ کونسا ایسا عمل کریں جس سے اس کی دولت میں مزید اضافہ ممکن ہو۔ مال و دولت کے دو معاشرتی پہلو ہیں مثبت اور منفی۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کس پہلو کو اہمیت دیتا ہے۔

اہل ثروت کو مال کمانے میں اپنے دین کا لحاظ کرنا چاہیے اور لازمی طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مال کے چکر میں آخرت سے بے خوف نہ ہو جائیں اور عمر کا بڑا حصہ اس وجہ سے تباہ نہ کریں کیونکہ ہر کاروبار کے نقصان کی تلافی ممکن ہے ماسوائے آخرت کے کاروبار کے یعنی اگر اس میں ایک ناکام ہو گیا تو اس کی تلافی نہیں، عقلمند انسان وہی ہے جو اپنے آپ پر ترس کھائے اور رحم کھانے کی صورت یہی ہے کہ انسان اس چیز پر زیادہ محنت کریں جو کہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہنے والی ہے اور جس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں اور وہ ہے آخرت کی زندگی۔ تجارت یا دولت کے حصول کے کسی بھی ذریعے کو استعمال کرنے سے پہلے اپنی نیت اور فکر کی اصلاح کرلے اور یہی عمل اس کو روزانہ اپنے ذرائع معاش کی طرف جانے سے پہلے لازمی کرنا چاہیے۔ نیت یہ ہو کہ اگر کوئی کارخانہ یا تجارت کریں گا تو اس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا اور ایسی صنعتیں یا کاروبار کریں کہ جس کے ہونے سے معاشرہ کو فائدہ بھی ہو۔ ایسی چیزیں بنائے اور فروخت کریں، مال کماتے وقت یہ نیت ہو کہ اس سے نہ صرف اپنے اہل و عیال کا بوجھ اٹھائے گا بلکہ معاشرے میں موجود غریب لوگوں کو بھی اس کے مال سے استفادہ ہوگا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''سوال کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کا محتاج نہ ہو...... بلکہ اپنے مال سے دین میں مدد حاصل کریں اور اہل و عیال کے حقوق ادا کرے مال سے جہاد کرنے والوں کے زمرے میں داخل ہو''(۱۱)
>
> اس بات کا بھی لحاظ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کن ذرائع کو مال کمانے کے واسطے حلال قرار دیا ہے اور کن ذرائع کو حرام، اپنے آپ کو اس طرح رکھے کہ جتنی بھی اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگا تو اس کی سوچ و فکر میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوگی، لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھے لیکن اتنا بھی نہ دے کہ خود کچھ عرصے بعد سوال کرنے والا بن جائے، اپنے دل کو فقیر رکھ ہر حال میں اللہ سے راضی رہے اور تکبر سے باز رہے

کیوں کہ تکبر کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی غلام اپنے بادشاہ کا تاج اپنے سر رکھ لے۔

الغرض امام صاحب کے نزدیک اہل ثروت افراد معاشرے میں اثر ورسوخ رکھتے ہیں اس لیے وہ چاہتے تھے کہ دولت مند افراد غربت کے خلاف جہاد کریں وہ نہ صرف اپنے مسلمان بھائیوں کی مالی اعتبار سے خبر گیری رکھے بلکہ ان کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنا بوجھ خود اٹھا سکے۔ اگر ان دولت مند لوگوں کا رویہ معاشرے میں مثبت ہوگا تو معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اگر یہ لوگ منفی ہوں گے تو معاشرے پر منفی اثرات ہوں گے ،اہل ثروت کو اقتدار کی لالچ نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی کسی ظالم وجابر حکمران سے ان لوگوں کا کوئی قریبی تعلق ہو۔

امام غزالیؒ اور خاندان

انسانی معاشرے کی بنیاد خاندان اور خاندان کی بنیاد فرد ہوتا ہے۔ انسان کا بچہ موم یا مٹی کی مانند ہوتا ہے اب یہ والدین کی تربیت ہوتی ہے کہ اُس کو جیسا چاہے بنادیں بچے کی شخصیت پر اُسکے والدین کی تربیت کے اثرات ہمیشہ قائم رہتے ہیں بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ وہی عقائد اور رسم ورواج کو اپناتا ہے جو اُس کے خاندان میں رائج ہوتے ہیں اگر اُس کے گھر والے اچھے ہونگے تو بچے پر اچھے اثرات ہونگے اور برے تو برے اثرات مرتب ہونگے۔ بچہ ایک زمین کی مانند ہے اور والدین اُس پر کاشت کرنے والے اب جیسی وہ فصل کاشت کرنا چاہیں گے ویسی ہی فصل کاشت ہوگیا۔ بچے کی اچھی اخلاقی تربیت والدین جب ہی کر سکتے ہیں جب وہ خود نہ صرف اعلیٰ تربیت یافتہ ہوں بلکہ تربیت کے تمام مراحل سے واقف بھی ہوں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خود فیصلہ کریں کہ آیا وہ اپنی اولاد کی تربیت کرسکیں گے اگر نہیں تو اُن کو اُن لوگوں کے حوالے کردیا جائے جو کہ اس فن میں ماہر ہوں۔ آپؒ کے فرماتے ہیں کہ:

> ''فرزند کے حقوق میں یہ امر بھی ہے کہ بدخوئی کر جب سے اُسے عاق یا نافرمان نہ کردے ...فرزندوں کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان داد وش، پیار اور سب بھلائیوں میں مساوات رکھے اور چھوٹے بچے کو پیار کرنا اور بوسہ دینا سنت ہے۔'' (۱۲)

اسی طرح والدین کا اولاد پر حق ہے کہ اُن کے ساتھ اطاعت ،عزت، محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آئے کیونکہ اُنہوں نے اولاد کی اُس وقت تربیت کی تھی جب وہ کچھ بھی نہیں تھا اور جب والدین بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو اُس وقت اُن کی طاقت کمزور پڑھ جاتی ہے اور وہ مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں ایسے موقع پر وہ توجہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں جیسے بچے مستحق ہوتے ہیں ۔ والدین کی بات سے اُصولی اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے بدتمیزی سے پیش نہیں آنا چاہیے اور والدین کو نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہیے، کسی بھی صورت میں لب ولہجہ تلخی کی جانب مائل نہ ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''کہنا مانیں، تعظیم کریں، اطاعت کریں، آگے نہ چلے، بلند آواز میں بات نہ کرے، بلائیں تو تعظیم سے جواب دیں، ہر کام میں والدین کی رضا کا خیال رکھیں، عجز ،تواضع اور خدمت کریں، منت نہ رکھے، غضب سے نہ دیکھیں، ترش روئی سے پیش نہ آئیں بغیر اذن سفر نہ کریں۔'' (۱۳)

امام غزالیؒ کے نزدیک میاں اور بیوی جو کہ مستقبل میں ایک خاندان کی بنیاد بنتے ہیں ان کے آپس کے تعلقات سب سے بہتر ہونا چاہیے کیونکہ جب ان کے تعلقات آپس میں اچھے ہوں گے تو اُس کے اثرات اُن کے بچوں پر اور اُن سے متعلقہ دیگر لوگوں پر اچھے پڑیں گے، آپؒ کے نزدیک جس طرح مرد کے عورت پر حقوق ہیں بالکل اسی طرح عورت کے مرد پر حقوق ہیں جب یہ دونوں اپنے اپنے حقوق اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کا لحاظ رکھیں گے تو خود بخود ان کے رشتوں میں توازن آجائے گا۔ امام غزالیؒ شوہر کی ذمہ داریاں زوجہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ:

> ''حسنِ معاشرت کے ساتھ پیش آئے، بات چیت میں نرمی برتے، اکیلا پن کا احساس نہ ہونے دے، غلطی پر درگزر کریں، اُس کے سامان کی حفاظت کریں، جھگڑے سے پرہیز کریں بخل نہ کریں، اُس کے رشتہ داروں کا احترام کریں اور بہترین طریقے سے اُس کا دفاع کریں۔'' (۱۴)

زوجین کی معاشرت کے تناظر میں امام غزالیؒ شوہر سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ شوہر کو بیوی کے ساتھ ایسا پیش آنا چاہیے کہ اُس کو بالکل بھی احساس نہ ہو کہ وہ اکیلی ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ مرد اپنی زندگی میں مگن ہو اور عورت کی زندگی کا احساس نہ ہو اور اگر غلطی سے گھریلو اُمور میں یا کسی معاملے میں غلطی ہو جائے تو درگزر سے کام لینا چاہیے، دونوں کو ایک دوسرے کا دوست اور حقیقی غمگسار ہونا چاہیے اور ہر اعتبار سے آپس میں لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ گھر کے معاملات جب گھر سے نکل کر دوسرے لوگوں تک جاتے ہیں تو لوگ معاملات کو سلجھانے کے بجائے اُس کو مزید اُلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اگر ایسی کوئی صورت ہو بھی تو دونوں فریقوں کو مل بیٹھ کر اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ مرد کو لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جائز اخراجات کو پورا کرے، جب اُس کے رشتہ دار آئیں یا وہ ان کے گھر جائیں تو ان کی عزت کریں کیونکہ اگر وہ نہیں کرے گا تو ردعمل کی صورت میں وہ بھی اُن کا احترام نہیں کریں گے، اور بیوی بھی اُس کے رشتہ داروں کی عزت نہیں کرے گی جس کے نتیجے کے طور پر اُن کا گھرانہ بدتمیزی اور بدتہذیب افراد کے طور پر مشہور ہو جائے گا۔ بیوی کی کہیں برائی سنے تو اُس کا دفاع کریں اگر وہ برائی صحیح ہو تو اُس کی اصلاح کریں نہیں تو اچھی طرح دفاع کریں اس سے بیوی کی سچی محبت میسر آئے گی اور گھرانہ خوش و خرم ہوگا۔ امام صاحبؒ نے والدین، عزیز و اقارب، بیوی، بچے کے حقوق کے علاوہ نوکروں کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ جب انسان خاندانی اُمور میں سکون پائے گا تو تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول کریم ﷺ کے طریقوں کے مطابق اپنی زندگی کو گزار سکے گا معاشرتی اعتبار سے بھی اور مذہبی اعتبار سے بھی۔

خلاصہ کلام

حصولِ معرفت، علوم و فنون اور معاشرتی تجزیہ کے بعد امام غزالیؒ اُن سماجی طبقات اور رویوں کی جانب متوجہ ہوئے جن کے معاشرتی نظم و ضبط پر گہرے اثرات پڑتے تھے۔ آپ کے نزدیک ان کا سدھار امت کا سدھار اور ان کا بگاڑ امت کا بگاڑ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے اپنے مکتوبات، خطابات، کتابوں، درس و تدریس کے ذریعے ان عوامل کی اصلاح کی۔ آپ انسانی علوم و فنون کو اس وقت تک کارآمد اور مفید نہیں سمجھتے تھے جب تک انھیں شریعت محمدی ﷺ کے معیار پر پرکھا نہ جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے۔

آپؒ کے نظریات کے تحت حاکم کی ذمہ داری نہ صرف یہ کہ وہ عوام الناس کی بنیادی ضروریات کو پورا کریں بلکہ ایک ایسا عدل وانصاف سے بھرپور معاشرہ قیام عمل میں لائے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ آپؒ علمائے دین کو وارث انبیاء سمجھتے ہوئے ان کی حقیقی ذمہ داریاں جن کا تعلق انسانی اخلاق و معاشرتی تربیت سے ہے آگاہ کیا۔ اہل ثروت حضرات کے کردار کو اہم سمجھتے ہوئے آپؒ نے اس طبقہ کو اس بات کی ترغیب دی کہ یہ نہ صرف غریبوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کریں بلکہ مستقل بنیاد پر ایسے کام کریں کہ یہ افراد خود معاشرے میں صحت مند کردار ادا کر سکیں۔ خاندان جس کا تعلق فرد سے انتہائی گہرا ہوتا ہے یہ جب ہی خوش و خرم ہوگا جب اس میں موجود ہر فرد اپنی مذہبی و معاشرتی ذمہ داریوں کو بخیر و خوبی سر انجام دیتا ہو۔

امام صاحبؒ کے نزدیک یہ طبقات اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائیاں ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی اکائی اپنا کام صحیح طور پر سر انجام نہ دے گی تو اسلامی اصولوں پر مبنی معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔

حوالہ جات

(۱) محمد، امام غزالی "المنقذ من الضلال" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۳، ص ۵۳۸
(۲) ایضاً
(۳) محمد، امام غزالی "میزان العمل" دار المعارف، مصر، ۱۹۶۴، ص ۲۲۱_۲۲۲
(۴) نعمانی، شبلی، علامہ "الغزالی" دار الکتاب کبیر، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۱۸۳
(۵) محمد، امام غزالی "احیاء علوم الدین" نورانی کتب خانہ، پشاور، ۱۹۹۱، ج ۲، ص ۳۸۵
(۶) محمد، امام غزالی "خلاصۃ التصانیف فی التصوف" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" محولہ بالا، ص ۱۶۸_۱۶۹
(۷) محمد، امام غزالی "الادب فی الدین" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" محولہ بالا، ص ۲۰۶
(۸) محمد، امام غزالی "فضائل الانام من حجۃ الاسلام" ، کتابفروشی تہران، ۱۳۳۳ھ، ص ۳۱
(۹) محمد، امام غزالی "سر العالمین وکشف ما فی الدارین" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" محولہ بالا، ص ۲۵۵
(۱۰) محمد، امام غزالی "فضائل الانام من حجۃ الاسلام" محولہ بالا، ص ۲۶
(۱۱) محمد، امام غزالی "احیاء علوم الدین" محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۳
(۱۲) محمد، امام غزالی "کیمیائے سعادت" شرکت سہامی انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۸۰ھ، ج ۱، ص ۲۳۱ تا ۲۳۰
(۱۳) محمد، امام غزالی "بدایۃ الہدایہ" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" محولہ بالا، ص ۳۹۷
(۱۴) محمد، امام غزالی "الادب فی الدین" مشمولہ: "مجموعہ رسائل امام غزالی" محولہ بالا، ص ۴۱۳